© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

مہامہوپادھیائے ڈاکٹر لچھمی دھر ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی دہلی یونیورسٹی میں شعبۂ سنسکرت و ہندی کے صدر ہیں۔ ان دونوں مضامین میں ہمہ گیر شہرت کے ساتھ عام علم و فضل کا یہ عالم ہے کہ انگریزی میں تقریر کرتے ہیں تو اس زبان کے اچھے اچھے ماہر اور ادیب جھومتے اور وجد کرتے ہیں، اردو دہلی کی ٹکسالی بولتے اور لکھتے ہیں۔ فارسی ادب کے ذوق کا یہ حال ہے کہ سنائی، رومی عطار اور دوسرے صوفی شاعروں کے سینکڑوں اشعار بر نوکِ زباں ہیں عربی سے بھی واقف ہیں قرآن مجید کی جستہ جستہ آیتیں یاد ہیں، انگریزی اور ہندی میں متعدد وقیع اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں فیلالوجی اور تصوف محبوب ترین مضامین ہیں عرب و ہند کے تعلقات پر عرصۂ دراز سے ریسیرچ کر رہے ہیں۔ نسلاً کشمیری پنڈت ہیں اس لئے ہر شخص انھیں پنڈت جی ہی کہہ کر پکارتا ہے ہم خاندانی اور مذہبی زعامت کی وجہ سے پنڈت جواہر لال نہرو کے خاندان میں جب کبھی شادی بیاہ کی یا کوئی اور مذہبی تقریب ہوتی ہے تو مہامہوپادھیا ہی اسے سرانجام دیتے ہیں مجھ کو اگرچہ ایک عرصہ تک کالج اور یونیورسٹی میں پنڈت جی کے ساتھ ایک رفیق کار کی حیثیت سے کام کرنے کا موقع ملا ہے لیکن سن و سال اور علم و فضل کے تفاوت کے باعث میں نے ہمیشہ ایک بزرگ کی طرح ان کا ادب و احترام کیا اور انھوں نے میرے ساتھ شفقت و کرم کا وہی برتاؤ کیا جو بڑے چھوٹوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

ستمبر ۱۹۴۷ء کی ۳ تاریخ تھی، وقت کوئی نو اور دس بجے صبح کے درمیان کا، ہم چند پروفیسر جن میں پنڈت جی بھی تھے ایک کمرہ میں بیٹھے چائے پی رہے تھے، یہ وہ وقت تھا جب کہ پنجاب کے دونوں حصوں کو فتنہ و فساد کی آگ نے جلا کر بھسم کر دیا تھا۔ اور دہلی میں بھی اکا دکا واقعات ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طوفانِ عظیم کی آمد کا الارم بجا رہے تھے اس لئے موضوعِ گفتگو اس کے سوا اور ہو ہی کیا سکتا تھا۔ جتنے منہ اتنی باتیں ہر شخص اپنے اپنے تاثرات اور احساسات و خیالات کا اظہار کر رہا تھا۔ کوئی ہندوستان کی فرقہ وارانہ سیاست کو رو رہا تھا۔ کوئی لیگ پر برس رہا تھا اور کوئی کانگریس کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا کہ اسے آزادی بطور خیرات قبول نہیں کرنی چاہیے تھی بلکہ انقلابی جدو جہد کی راہ سے انگریزوں کو یہاں سے نکالنا چاہتے تھا میں اور پنڈت جی دونوں چپ بیٹھے ہر ایک کی بات سن رہے تھے جب گفتگو ذرا دراز ہو گئی تو پنڈت جی نے حسب معمول اپنا سر اونچا کیا اور عینک کے شیشوں کے پیچھے اپنی بڑی بڑی اور خوبصورت آنکھوں میں ایک چمک پیدا کرتے ہوئے

——— ایسی چمک جو ان کے قلبی سوز و گداز کا پتہ دے رہی تھی ———

موضوعِ سخن پر اپنے تاثرات بیان کرنے شروع کئے پنڈت جی اس مجمع کے سب لوگوں کے بزرگ تھے اور ان کے علم و فضل کی یوں بھی سب پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس لئے انھوں نے بولنا شروع کیا تو سب خاموش ہو گئے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر ان کی تقریر سننے لگے چاء کی پیالی جس کے ہاتھ میں جس پوزیشن میں تھی اسی میں رہ گئی۔

پنڈت جی شروع میں آہستہ اور رک رک کر بولتے ہیں ایک جملہ کہہ کر سر نیچا کر لیتے ہیں کہ گویا کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے ہیں پھر سر اٹھا کر گردن ذرا ٹیڑھی کرتے ہیں اور بولنا شروع کرتے ہیں یہاں تک کہ سلسلۂ تقریر کے آگے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کا لہجہ بھی بلند ہوتا جاتا ہے الفاظ کی روانی بڑھتی جاتی ہے اور پھر تو یہ عالم ہوتا ہے کہ فقرہ فقرہ پر فصاحت بلائیں لیتی ہے بلاغت حسن قبول کے پھول نچھاور کرتی ہے اور سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر انھیں کی طرف متوجہ رہتے ہیں اب اپنے اسی خاص انداز میں بولتے بولتے پنڈت جی یک بیک مجھ سے مخاطب ہوتے اور بولے " سعید صاحب! ہندوستان کی تقسیم سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا یا نقصان۔ اس کو بحیثیت مسلمان کے آپ اچھی طرح جان سکتے ہیں لیکن میں تو ایک ہندو ہونے کی حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس تقسیم نے ہندوؤں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا دیا، اس خیال میں کوئی خاص ندرت نہیں تھی اس لئے میں کسی قدر بے توجہی سے بولا "آپ کی مراد سیاسی نقصان ہے؟" پنڈت جی نے فوراً کہا "میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اس لئے مجھ کو اس سے کیا واسطہ!" میں نے پھر کہا "تو کیا آپ کی مراد سماجی اور معاشرتی نقصان ہے؟ پنڈت جی نے زور دیتے ہوئے کہا "جی! یہ نقصان تو ہے ہی۔ ہر شخص اسے جانتا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے باعث ہندوؤں کو بہت سے معاشرتی اور سماجی فائدے پہنچے۔ مثلاً عورتوں کے حقوق۔ بیوہ عورتوں کی شادی۔ عورتوں کی وراثت۔ چھوت چھات کا قلع قمع۔ لیکن میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مذہبی اعتبار سے بھی بڑا نقصان پہنچ گیا" پنڈت جی نے مذہب کا نام لیا تو میں خاص طور پر اور ہمارے سب رفیق عموماً بڑے چونکنے ہوئے۔ اور میں نے گھبرا کر بڑے تعجب سے پوچھا "یہ کیوں کر؟ ہندو کو تقسیم ہند سے مذہبی نقصان پہنچ گیا! یہ بڑی عجیب سی بات ہے، ذرا تفصیل سے بیان فرمایئے" پنڈت جی نے چمک کر اور آنکھوں کو ایک کیفیت رقص دیتے ہوئے کہنا شروع کیا "سُنیے! ہمارے مقدس ویدوں میں بھی خدا کی توحید ذات وصفات کا وہ ہی عقیدہ پایا جاتا ہے جو قرآن مجید میں ہے لیکن جس طرح ایک مدت کے بعد اسلام کی توحیدِ خالص مشرکانہ اعمال و افعال سے داغدار ہوگئی یعنی مسلمان پیر پرستی، قبر پرستی اور مزار پرستی کرنے لگے ٹھیک اسی طرح مقدس ویدوں کے ماننے والے شروع شروع میں شخصیت پرستی کا شکار ہوئے اور اسی چیز نے آگے چل کر مورتی پوجا کی شکل اختیار کرلی جو ویدوں کی تعلیم کے بالکل خلاف تھی اور اس میں اس درجہ غلو ہوا کہ توحید کا عقیدہ قریب قریب فنا ہوگیا اور مورتی پوجا ہی مذہب ہوگئی۔ پھر ہندوستان میں مسلمان علما اور صوفیا نے توحید کا پرچار کیا اور بڑے زور شور سے کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو دماغ بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے اب سوسائٹی کے مروجہ رسوم و عوائد سے ہٹ کر اپنی مذہبی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ دراصل ان کا مذہب بھی خدا کی توحید کا وہی عقیدہ رکھتا ہے جو اسلام کا عقیدہ ہے۔ چنانچہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آج ہندوستان میں ۷۵ فیصدی تعلیم یافتہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندو خدا کی توحید کا ہی عقیدہ رکھتے ہیں اور مورتی پوجا کے قائل نہیں ہیں؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے ساتھ رہن سہن سے ہندو کو بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ وہ اپنے مذہب کی اصل تعلیم سے باخبر ہو گیا اور اس نے خدا کے متعلق اپنا عقیدہ درست کر لیا" یہ سن کر میں نے عرض کیا " پنڈت جی یہی تو وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی نسبت اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس سے پہلے آئی ہوئی آسمانی کتابوں کا مُصَدِّق ہے اور یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جن میں خدا کا کوئی پیغمبر نازل نہ ہوا ہو لیکن چونکہ بہت قدیم مذاہب وادیان کی کتابیں مختلف تاریخی اسباب کی بنا پر اپنی اصل شکل وصورت میں قایم نہیں رہ سکی ہیں اس لئے قرآن میں اور ان میں تضاد نظر آتا ہے ورنہ اگر ایک محقق کتبِ سابقہ کی اصل وضع وہیئت تک رسائی حاصل کر سکے تو وہ صاف طور پر معلوم کریگا کہ ان کتابوں میں خدا۔ اس کی ذات وصفات۔ ایمان بالرسل۔ اور عقیدۂ آخرت اور جزا وسزا اور اعمال نیک وبد کے متعلق بعینہٖ وہی تعلیمات ہیں جو قرآن میں ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے علاوہ کتب سابقہ اور گذشتہ پیغمبروں پر بھی ایمان لانے کو کیوں ضروری قرار دیا جاتا،، میں نے پھر کہا " پنڈت جی! مجھ کو ہمیشہ رونا تو اسی کا رہا ہے کہ ہمارے علماء کرام نے اسلام کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ لیکن ایک کام جو کرنے کا تھا اور نہایت ضروری تھا وہ چند ایک کو مستثنیٰ کر کے کسی نے بھی نہیں کیا یعنی علماء کا یہ فرض تھا کہ وہ سنسکرت اور عبرانی وغیرہ دوسری زبانیں جن میں مختلف مذہبوں کی آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں اُن کو سیکھتے اور ان کے ذریعہ ان کتابوں کا براہ راست مطالعہ کرتے اور ان میں اگر کچھ تحریف ہوئی ہے تو اس کا سراغ لگا کر اصل حقیقت کا پتہ چلاتے تاکہ وہ قرآن مجید کے " مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ " ہونے کے دعویٰ کو دنیا پر ثابت کر سکتے۔ اگر علما حدیث وفقہ پر ہزاروں کتابیں لکھنے کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کرتے تو آپ دیکھتے کہ آج دنیا کی تاریخ یکسر کچھ سے کچھ ہوتی۔ مذہب کے نام پر جو خونریزیاں ہوئیں وہ نہ ہوتیں اور یا تو سب کا مذہب ہی ایک ہوتا اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ایک مذہب کا پیرو دوسرے مذہب کے لوگوں سے ایسا متنفر نہ ہوتا جیسا کہ آج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظر آتا ہے ہمارے علما کو سوچنا چاہئے تھا کہ آخر قرآن میں جگہ جگہ جو دوسرے مذاہب و ادیان اور اُن کے پیغمبروں کا ذکر اور خود اپنے متعلق ان سب کے مصدق ہونے کا دعوی مذکور رہے اور پھر اسلام کی شرط منجملہ اور چیزوں کے ایمان بالکتب والرسل بھی لازمی اور ضروری ہے تو یہ سب کچھ یوں ہی اور بغیر کسی خاص اور اہم مقصد کے نہیں ہو سکتا۔ لیکن صد حیف! علماء نے قرآن کی تعلیمات کے اس اہم گوشہ کو ایسا نظر انداز کر دیا کہ گویا وہ قرآن کا کوئی جز ہی نہیں تھا۔ کچھ علماء اس طرف متوجہ ہوئے بھی تو انھوں نے اپنے کتب قدیمہ کے علم سے مناظرہ و مجادلہ میں کام لیا جس کی وجہ سے بعد و افتراق کی خلیج کم ہونے کے بجائے اور وسیع سے وسیع تر ہو گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مذہب کا پیرو اسلام کو اپنا دشمن سمجھنے لگا حالانکہ اسلام کسی کا دشمن نہیں وہ ہر ایک کا خیر خواہ اور اس کا دوست ہے وہ ہر مذہب کے متعلق یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس میں خدائی روشنی موجود ہے۔ البتہ وہ یہ کہتا ہے کہ آسمان پر سورج نہیں چمکتا تو چاند اور ستارے جگمگاتے ہیں اور اس وقت ہر متنفس کا حق ہے کہ وہ ان کی روشنی سے کسب فیض کرے لیکن جب سورج نکل آتا ہے اور وہ تمام ستاروں اور چاند کی روشنیوں کو اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے اپنی کرنیں کارگاہ ہست و بود کے ہر ہر ذرہ پر بکھیر دیتا ہے تو پھر اس وقت یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ لوگ اندھیری کوٹھریوں میں بند ہو کر سورج کی کرنوں سے کسب فیض کرنے سے انکار کر دیں اور رات کا انتظار اس لئے کریں کہ چاند اور ستاروں سے ہی روشنی حاصل کریں گے۔

یہاں پہنچ کر میں نے اپنی تقریر کا رخ پلٹتے ہوئے کہا " دیکھئے پنڈت جی! آپ نے فرمایا کہ مقدس دیدوں میں بھی خدا کی توحید کی تعلیم ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ہمارے محققین صوفیا بھی اس سے بے خبر نہیں تھے چنانچہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات " الکلمات الطیبات " میں صاف لکھا ہے کہ ہمارے ملک کے ہندو اہل کتاب ہیں کیونکہ ان کے اصل مذہب میں خدا کی وحدانیت کا ہی عقیدہ پایا جاتا ہے اور ان کی کتاب آسمانی کتاب ہے" ان کے علاوہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علماء کے ایک بڑے طبقہ کا خیال ہے کہ قرآن مجید میں جن مشرکین کا ذکر ہے ہندوستان کے ہندو ان کا مصداق نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے مراد مکہ کے مشرکین ہیں جو کوئی کتاب نہیں رکھتے تھے اور بتوں کو شریک خدائی سمجھ کر اور حوادث دہر میں موثر بالذات و فعال مان کر ان کی پوجا کرتے تھے

اتنا کہہ کر میں نے عرض کیا " مگر پنڈت جی! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر تعلیم یافتہ اور صحیح الفکر ہندو خدا کی توحید کے قائل ہیں۔ تو اگرچہ آپ کے ارشاد کے مطابق اس میں مسلمانوں کے ساتھ رہن سہن کو بڑا دخل ہے لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اب ہندوستان کی تقسیم سے ان کے اس عقیدہ کو کیوں نقصان پہنچے گا کیونکہ انھوں نے یہ عقیدہ تو اس کو حق سمجھ کر اور اپنے مذہب کا عقیدہ جانکر قبول کیا ہے نہ کہ مسلمانوں کے جبر یا اُن کے دباؤ سے " اب پنڈت جی نے پھر اپنا سر اُٹھایا اور فرمانے لگے کہ " جی ہاں! اس عقیدہ کو قبول تو انھوں نے اپنا مذہبی اور سچا عقیدہ جان کر ہی کیا ہے۔ لیکن شعوری یا غیر شعوری طور پر تعلیم یافتہ ہندو یہ ضرور سمجھتے ہیں کہ اس عقیدہ سے بہت دور جا پڑنے کے بعد ان کا اب پھر ادھر رجوع زیادہ تر اسلامی کلچر سے آشنا ہونے کا نتیجہ ہے اس بنا پر اب جب کہ ملک کی تقسیم انتہائی نفرت۔ دشمنی اور بغض و عناد کی وجہ سے ہوئی ہے اس لئے ہو گیا یہ کہ ہندو نفرت اور دشمنی کے جذبہ سے مغلوب ہو کر ہر اُس چیز کو خواہ اس سے اس کا کتنا ہی گہرا تعلق رہا ہو اور اس میں کیسا ہی اس کا اپنا فائدہ ہو، یک قلم چھوڑ دے گا جس کو مسلمانوں کے ساتھ نسبت ہو چنانچہ اب تک ہندو بھی شیروانی اور آڑا یا چست پاجامہ پہنتے تھے اور وہ کیا بھلا لگتا تھا لیکن اب آئندہ ہندو محض اس لئے اس کو نہیں پہنینگے کہ مسلمان اس کو پہنتے ہیں! اردو ہندو بھی بولتے اور لکھتے تھے لیکن اب محض اس بناء پر نہ اسے بولیں گے اور نہ پڑھیں گے کہ اس کو مسلمانوں سے قریبی تعلق ہے " میں نے عرض کیا " یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ اگر آپ کا دشمن کپڑے پہنے ہوئے ہے تو آپ اس کی مخالفت میں خواہ مخواہ ننگے ہو جائیں اور اگر وہ پھولوں کا ہار پہنے ہوئے ہے تو آپ اس کو چڑانے کے لئے کانٹوں کی مالا اپنی گردن میں ڈال لیں " ارشاد ہوا " کہ ہاں عقل کی بات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے۔ لیکن غصہ میں جب انسان کی عقل ٹھکانہ سے نہیں ہوتی تو وہ لبا اوقات اپنے گلے میں رسی کا پھندا ڈال کر۔ یا زہر کی پھنکی مار کر اپنا کام ہی تمام کر لیتا ہے۔"

پنڈت جی کی اور میری یہ گفتگو ہنگامۂ دہلی سے پہلے کے زمانۂ امن کی آخری گفتگو تھی پھر تین ماہ بعد ان سے ملاقات ہوئی تو اس عالم میں کہ قرول باغ میں میرا گھر لٹ چکا تھا۔ اور میں اور بچے گھر اور اس کے سب سامان سے بے دخل ہو کر خانماں خراب زندگی بسر کر رہے تھے اور دوسری جانب ستیارام کے بازار میں پنڈت جی کے گھر اور اس کے سامان کو دستبرد کیا جا چکا تھا۔

تفسیر مظہری

تمام عربی مدرسوں، کتب خانوں اور عربی جاننے والے اصحاب کیلئے بیش بہا تحفہ

ارباب علم کو معلوم ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی یہ عظیم المرتبہ تفسیر مختلف خصوصیتوں کے اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتی لیکن اب تک اس کی حیثیت ایک گوہر نایاب کی تھی اور ملک میں اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دستیاب ہونا دشوار تھا۔

الحمد للہ کہ

سالہا سال کی عرق ریز کوششوں کے بعد آج ہم اس قابل ہیں کہ اس عظیم الشان تفسیر کے شائع ہو جانے کا اعلان کر سکیں۔ اب تک اس کی حسب ذیل جلدیں طبع ہو چکی ہیں جو کاغذ اور دیگر سامان طباعت و کتابت کی وجہ سے بہت محدود مقدار میں چھپی ہیں۔

ہدیہ غیر مجلد جلد اول تقطیع ۲۲×۲۹ سات روپئے جلد ثانی سات روپئے جلد خامس سات روپئے جلد ششم آٹھ روپئے جلد ثالث و رابع زیر کتابت ہیں۔

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

© rasailojaraid.com